Lesson 3: Yunus (Ayaat 31- 52): Day 11

سُوۡرَةُ یُوۡنُس کی تفسیر

اب اگلا سوال ہے کہ جب یہ سب سچ ہے۔مانتے بھی ہیں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ۔یہ بھی پتہ ہے کہ اللہ ہی دینے والا ہے۔تو پھر اکثر لوگ کیوں نہیں چلتے۔ہر انسان کے اندر بھوک اور پیاس کی طرح ھدائیت کی بھی طلب ہوتی ہے۔

اگلی آیت کا سوال لکھ لیں کہ طلب بھی ہے،چاہیئے بھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ نہیں لیتے؟اسکو آیت 36 کی روشنی میں دیکھتے ہیں؛

وَمَا يَتَّبِعُ اَكۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ ۔۔اور ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔

لفظ ظَنًّا ؕ کو نوٹ کریں۔یہ ہے اکثریت کی مشکل۔پچھلی آیت میں ہم نے پڑھا کہ جو ہدایت کی طرف بُلائے اُس کی طرف جانا چاہیئے۔توجو اس آیت کا سوال ہے اُس پر عمل کیوں نہیں ہوتا یعنی لوگ ہدایت کی طرف کیوں نہیں آتے کہ وہ ہدایت دینے والے کے پیچھے چلنے کی بجائے "ظن" کے پیچھے چلنے لگتے ہیں۔'ظن'کیا ہوتا ہے۔اسکو بھی سمجھ لیں؛

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَـقِّ شَيۡـئًـا ؕ ۔۔اور کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔

گمان حق کا Alternate کبھی نہیں بن سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ بے شک خدا تمہارے (سب) افعال سے واقف ہے۔

تم حق والے کو نہ مانو، اپنی باتوں پہ چلو تو یاد رکھو کہ اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔ یہاں اب لفظ "ظن" کو دیکھتے ہیں۔ ظ،ن،ن ہے۔ یہ 'اضداد' میں سے ہے۔ یہ dual کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے کبھی یہ سردی کے معنی دے گا تو کبھی گرمی کے معنی بھی دے گا۔ "ظن" کے چار معنی ہوتے ہیں۔

1۔ یقین

2۔ شک

3۔ تہمت

4۔ وہم وگمان

یہاں چوتھا معنی ہے۔ اکثر لوگ حق کی طرف چلنے کی بجائے وہمی دنیا میں رہتے ہیں۔ ایک لفظ بولتے ہیں "I think"۔ بہت سے لوگ ہدایت کا معیار بھی اسی لفظ پہ رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ I think کہ اللہ سب کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔ I don't think so کہ دینا کا نظام سود کے بغیر چل سکتا ہے۔ ہدایت کے مقابلے میں جب انسان اپنی سوچ لے آتا ہے تو سمجھ لیں کہ زندگی دوسرے راستے پہ چلی جاتی ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ آپ کیک بنانے کی ترکیب کے مطابق اشیاء لائے۔ آپ نے کیک بنانے کی ہدایات پر عمل کیا، تو آپ کا کیک بہترین بنا۔ اب اگر آپ کیک کی اشیاء اور ہدایات کو اپنی مرضی سے بدل کے بنانے کی کوشش کریں گے تو کیا آپ اچھا کیک بنا سکیں گے؟ کبھی نہیں۔

یہ کن لوگوں کی مثال ہے جو دین کے سارے کام کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج زکواۃ سب کرتے ہیں۔ لیکن Ratio بدل دیتے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان توازن نہیں رکھتے۔ حقوق اللہ کے نام پر حقوق العباد چھوڑے ہوئے ہیں اور حقوق العباد کے نام پر حقوق اللہ چھوڑے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ لوگوں کو اللہ کا حق دے دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اُس وقت تک خوش نہیں ہوتے جب تک آپ اُنہیں اللہ کا بھی حق نہ دیں۔

اب آپ اپنے آپ سے پوچھیں کہ کیا میں نے دین کے Ratio & propotion کو بگاڑا ہوا تو نہیں ہے؟ اسی میں کچھ لوگ رہبانیت پہ چلے گئے اور کچھ لوگ بالکل دوسری ڈگر پہ چلے گئے۔

کیک والی مثال کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ کیک بنانے والا کہے کہ میں اس میں دو چمچ نمک بھی ڈالوں گی، آپ کہتے ہیں کہ ترکیب میں نہیں لکھا۔ وہ کہتی ہیں "منع بھی تو نہیں کیا"۔ ایسے لوگ دین میں بھی مرچ مصالحہ ڈالتے ہیں۔ کہتے ہیں کیا حرج ہے، قرآن ہی تو پڑھنا ہے نا، کیا حرج ہے نبیؐ کا نام ہی تو لے رہے ہیں نا، کیا حرج ہے مُردے کے گھر سے کھانا ہی تو کھا رہے ہیں نا، کھانا کھلانا تو بڑا ثواب کا کام ہے۔

زندگی گزارنے کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ "الحق"،، "الھادی"

دوسرا راستہ انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔ معاشرے کا، خاندان، بیوی بچوں کا۔ آپ اپنے ذہن میں دو راستے بنائیں۔ ایک اللہ کا بنایا ہوا "قال اللہُ وقال الرسول"،،،،،،، یہ حق ہے۔ ادھر جانا ہے۔ اسکے آگے جنت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا تنگ راستہ ہے، اس میں بڑی مشکلیں ہیں۔ آپ دوسری طرف

دیکھتے ہیں۔ بہت آسان، مزے والا،،،fun,fun,fun۔ لوگ بھی خوش، آپ کی تعریفیں کر رہے ہیں لیکن اگر آپ سوچیں کہ یہ راستہ لے کر آپ جنت میں پہنچ جایئں گے تو یہ آپ کا گمان ہے۔

آج لوگ دوڑ رہے ہیں جہنم کے راستوں پہ اور گمان کیا ہے کہ جنت میں جائیں گے۔ یاد رکھیے جنت اور جہنم کسی پارکنگ الاٹ کا دایاں یا بایاں نہیں ہے کہ جدھر بھی مُڑے پارکنگ مل جائے گی بلکہ جنت اور جہنم دو مختلف راستے ہیں۔ جنت کا راستہ اوپر جاتا ہے جہاں جانے کے لیئے خود کو کھینچنا پڑتا ہے۔ اور جہنم نیچے کی طرف۔ آپ "ظن" پہ رہے، سیدھے نیچے گریں گے۔

حدیث کا خلاصہ ہے کہ جنت اوپر ہے آسمان میں اور جہنم نیچے۔ "سجین"،، "علیین"۔ سورۃ "فجر" یا سورۃ "مطففین" میں آپ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ راستہ ہمیں خود دیکھنا ہے۔ آپ نفس اور خواہشات کی بریک سے پاوں اُٹھالیں تو سیدھے نیچے جہنم میں پہنچیں گے۔ آپ نے english کا محاورہ سُنا ہو گا کہ انسان اور دریا کب ٹیڑھے ہو جاتے ہیں تو کہا "when they take the path of least resistence"۔ تو جب مشکلات دیکھ کے ہم راستہ بدل لیتے ہیں کہ میرے راستے میں کوئی resistence نہ ہو تو پھر آپکی صلاحیتیں نہیں اُبھریں گی۔

حضرت بلال کا قول یاد آگیا" کہ جب مشرکین مکہ اُنہیں تکلیفیں دیتے تھے تو اُنہیں لوگوں پر ترس آتا تھا۔ ایک دفعہ اُنکے مالک اُمیہ نے حضرت بلال کی والدہ سے شکایت کی کہ آپنے بیٹے کو سمجھاؤ، اتنی مار کھاتا ہے پھر بھی 'احد'،، 'احد' کہتا ہے۔ ماں نے بیٹے سے کہا کہ کیوں مار کھاتے ہو، جو یہ کہتا ہے مان جاو۔ تو آپ ہنسنے لگے اور کہا کہ آج مجھے پتہ چلا کہ اُمیہ ہار گیا اور میں جیت گیا۔ کیونکہ اگر اُمیہ اندر سے ٹوٹا ہوا نہ ہوتا تو آج میری ہی ماں کو سفارشی بنا کے میرے سامنے نہ بھیجتا۔

ایک اور قول آتا ہے کہ اگر تم گھڑا بھی خریدتے ہو تو ٹھوک ٹھوک کے دیکھتے ہو کہ کہیں سوراخ تو نہیں، تو میرا اللہ مجھے ٹھوک بجا کے نہیں دیکھے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم کیا سوچتے ہو کہ اللہ نے جنت ایسے ہی دے دینی ہے۔

تو مجھے اور آپکو آج کے بعد سوچنا ہے کہ ہم نے زندگی کی بنیاد دلیل پر رکھی ہے یا گمان پر۔ یہ زندگی کے دوراستے ہیں۔ آج پورا معاشرہ گمان پہ چل رہا ہے۔ کہتے ہیں "مجھے لگتا ہے کہ میں جنت میں جاؤں گی" دیکھنا اللہ کو میرے پہ پیار آ جانا ہے۔ پھر میری امی کی دعائیں بھی تو میرے ساتھ ہیں نا۔ میری دادی بھی مجھے بہت دعائیں دیتی تھی۔ آج ہم سب جنت کے راستے پر "I think" کی بنیاد پر جا رہے ہیں۔ سوائے چند لوگوں کے۔ ایک مثال ہے کہ جب ہم نے پاکستان جانا ہوتا ہے تو confirm ticket لے کے جاتے ہیں۔ ہم یہ کبھی نہیں کرتے کہ 6،7 سوٹ کیس لے کے گھر والوں کے ساتھ chance پہ ٹکٹ لے کے گھر سے چلے جائیں کہ چلو دیکھتے ہیں اگر ٹکٹ مل گئی تو چلے جائیں گے۔ 7،8 گھنٹے کے سفر پہ ہم ہر چیز confirm کر کے جاتے ہیں یہاں ہم I think کیوں نہیں کرتے تو کیوں آخرت کو ہم نے چانس کی ٹکٹ پہ رکھا ہوا ہے۔ یہ وہ تڑپ ہے جو لگنے کے بعد بندے کو کوئی خوشی خوشی نہیں لگتی۔ لوگ خوش ہو رہے ہوتے ہیں یہ غمگین ہوتے ہیں کہ یا اللہ ان کو نہیں پتا کہ انکی اس مستی کے بعد کون سی پریشانی آنے والی ہے۔ اور پھر آخر میں جب چیخیں نکلتی ہیں تو منہ سے کچھ اور نکلتا ہے، کسی کی نظر لگ گئی، کسی کی آہ لگ گئی، کسی کی بدُعا لگ گئی۔ اصل میں اللہ ہمیں اُس گمان سے نکال رہا ہوتا ہے۔

تو اپنی نیت بنائیں کہ زندگی کی بنیاد strong base پہ بنانی ہے۔ جب اللہ کے نبی ؐ کو دین ملا تو اُس دور میں اتنا بگاڑ پیدا ہو چکا تھا کہ جب کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا تو کھوجیوں کو بلاتے تھے کہ دیکھو کس میں بچے کے features زیادہ ہیں تو یہ بچہ اُسکا ہو گا۔ اتنا نسب خراب تھا۔ ہمیں آج بھی معاشرے میں یہ بگاڑ نظر آتا ہے کہ سکول کے فارم سے باپ کا نام ہی نکال دیا کہ اب اِسے کیا شرمندہ کریں کہ اسکا باپ کون ہے۔ تو دعا کریں کہ اللہ نے ہمیں یہ حق دیا ہے تو اسکی قدر کریں۔

اب اگلی آیتوں میں دیکھیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ-- اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف سے بنالائے۔

ہم نقلی چیزیں تو بناسکتے ہیں لیکن کیا ہم گاجر، مالٹا یا کوئی بھی قدرتی چیز بناسکتے ہیں؟ نہیں،، تو یہ قرآن اللہ نے بنایا ہے۔ کسی انسان کی طاقت نہیں کہ اسے بنائے۔

ایک سٹوڈنٹ کی sharing تھی کہ جب میں قرآن سُنتی تھی تو سوچتی تھی کہ یہ بات اُستاذہ جی کو کس نے بتائی، یہ تو میری بات ہے۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر بندے کو لگتا ہے کہ یہ میری بات ہے۔ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ جس کے پاس آجائے پھر اسکو کوئی خرید نہیں سکتا۔ نبی ؐ کو لوگوں نے اتنا ستایا، لیکن نبی نہیں بکے۔ کتنی آفرز دیں کہ آپکو خوبصورت عورت سے بیاہ دیتے ہیں، آپکو سردار بنا دیتے ہیں، آپکو پیسے دے دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ تو نبی ؐ کے پاس پہلے سے ہی تھا۔ عرب کی سب سے خوبصورت عورت حضرت خدیجہ پہلے ہی زوجیت میں تھیں، سرکارِ دوجہاں تو وہ پہلے ہی تھے۔ لیکن یہ

بات ہر انسان کو سمجھ نہیں آتی۔ آپ گھر جا کے جتنی بھی کوشش کر لیں اپنے گھر والوں کو اس طرح یہ آیتیں نہیں بتا سکیں گی جیسے آپکو سمجھ آ رہی ہے

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾

ہاں (ہاں یہ خدا کا کلام ہے) جو (کتابیں) اس سے پہلے (کی) ہیں۔ ان کی تصدیق کرتا ہے اور ان ہی کتابوں کی (اس میں) تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں (کہ) یہ رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔

اب یہاں کتاب کی دو خوبیاں آ گئیں؛

1۔ تصدیق

2۔ تفصیل

پیچھے ہم نے پڑھا کہ یہ کتاب ھدائیت ہے۔ اب یہاں ہے کہ یہ کتاب تصدیق کرتی ہے۔ کس چیز کی تصدیق؟ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ اس سے کیا مراد ہے؟

مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریمؐ ہیں۔ کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ آپ کو نبیؐ نہیں مانیں گے۔ ولید بن مغیرہ نبی ہوتا، دو بڑوں میں سے کوئی ایک ہوتا اور اسی طرح کی کچھ اور باتیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ کتاب اس شخص کے نبیؐ ہونے کی دلیل ہے۔ تم ادیب، شاعر، فقہیہ ہونے کے باوجود یہ کلام نہیں پیش کر سکے تو یہ "اُمی" جسکی ماں بھی چند سال بعد فوت ہو گئی اور جس کو اُسکے باپ نے دیکھا بھی نہیں تو مان جاؤ کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے۔

اسی طرح تصدیق میں ایک دوسرا معنی کیا آتا ہے کہ "آنے والے واقعات کی تصدیق"۔ سورۃ روم میں ہم پڑھیں گے کہ قرآن پاک میں پہلے سے ہونے والے واقعات کی خبریں بھی دی گئیں تھیں۔ جس میں 'روم' کی فتح کی بات تھی۔ جب فتح ہوئی تو بات سچ ہو گئی۔ تو قرآن میں آنے والے واقعات کی باتیں ہیں جب وہ ہو جاتی ہیں تو قرآن کی سچائی ثابت ہو جاتی ہے۔ کچھ سائینسی حقائق کا بھی قرآن میں ذکر ہے۔ جیسے زمین کناروں سے گھٹائی جا رہی ہے۔ آج سائنسدان کہتے ہیں کہ زمیں پر پانی بڑھتا جا رہا ہے اور خشکی کم ہے۔ اور؟

الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ کا تیسرا معنی پچھلی کتابیں بھی ہے۔ تو قرآن اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

قرآن کی دوسری خوبی کیا ہے وَتَفۡصِیۡلَ۔ کس چیز کی تفصیل۔ الکتاب سے مراد پچھلی شریعت ہے۔ پچھلے نبیوں کو جو بھی شریعت ملی وہ time bound تھیں۔ کچھ رہیں، کچھ بعد میں بدلتی گئیں۔

اللہ نے اس کتاب کے ذریعے تمام باتیں کھول کھول کے بیان کر دیں۔ اللہ اس آیت سے مجھے اور آپ کو خوش کر رہے ہیں کہ تمہیں اس کتاب سے صرف ھدایت ہی نہیں مل رہی بلکہ اس بات کا یقین بھی مل رہا ہے کہ یہ کتاب باقی تمام علوم سے اوپر ہے۔ دین کے نام پہ ہم بہت کچھ کرتے ہیں لیکن قرآن کی تفسیر کا مقابلہ دس سال کی عالم کی ڈگری بھی نہیں کر سکتی اگر اُس میں قرآن کی تفسیر نہیں ہے۔ یہ شک سے پاک ہے۔ اب لوگوں کی ناشکریوں کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ چیلنج دیتے ہیں؛

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّثۡلِہٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنالاؤ اور خدا کے سوا جن کو تم بلا سکو بلا بھی لو۔

پہلے ہم یہ چیلنج سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں۔وہ مدنی سورۃ تھی یہ مکی سورۃ ہے۔مکی سورتیں پہلے ہیں اور مدنی سورتیں بعد میں ہیں۔تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ترتیب کے اعتبار سے یہ سورۃ پہلے آئی تھی۔مکہ میں بہت جھٹلاتے تھے کہ یہ کیا کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم بھی ایسی سورۃ بنالو۔کچھ لوگ دوسروں کو دعوت سے روکنے کے لیئے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بھی یہ سب کچھ ہے۔ہم بھی یہ پڑھتے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے کُھلے چیلنج کے بعد بھی یہ لوگ اس کو قبول نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اب انکی باتوں کو اور کھولتے ہیں کہ؛

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ--- حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پاسکے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں---

مکہ والے نبی کریمؐ کی محفلوں میں آتے بھی نہیں تھے لیکن انکے خلاف باتیں نکالتے تھے۔کبھی آپ کو دین کی دعوت دینے والے کے خلاف کوئی بات کرے تو پہلے پوچھیں کہ کیا آپ وہاں جاتی ہیں؟ جب تک کسی کو سُنا ہی نہیں تو اسکے خلاف بات بھی نہ کریں۔

عرب کہتے ہیں کہ کسی کے بارے میں بہترین گواہی دشمن کی زبان سے ہوتی ہے یا پھر اُسکے گھر والوں کی زبان سے۔تو اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بغیر علم کا احاطہ کیے برائی کر رہے ہیں۔ابھی تو یہ اس قرآن کی اصل کو پا ہی نہیں سکے۔ابھی انہیں قرآن کے علوم کا ادراک نہیں ہے۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۳۹﴾

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی تھی سو دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔

اس آیت سے بظاہر آپکو لگے گا کہ موضوع پلٹتا ہے۔ اگر آپ نے پچھلی آیتوں پہ تھوڑا سا غور کیا تو پتہ چل گیا کہ زندگی کی بنیاد حق پہ ہے۔ ہم نے "ظن" کو حق کے مقابلے میں بہت اچھی طرح سمجھ لیا لیکن ایک 'ظن' انسانوں کے معاملے میں بھی ہوتا ہے جو بندے کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ اُس سے بھی چھٹکارا پانا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے بہت سے لوگ "ھُدَاً" اور حق کو چھوڑ کر "ظن" یعنی گمان کی پیروی کرتے ہیں۔۔ تمام لوگ نہیں لیکن کچھ لوگ انسانی تعلقات میں حقیقت شناس ہونے کی بجائے ظن شناس ہوتے ہیں۔ اس مشکل جملے کو کیسے سمجھیں، تو سمجھ لیجیئے کہ ہم اپنے ارد گرد رہنے والے انسانوں کے معاملے میں خود ہی assume کرنے لگتے ہیں کہ یہ ہمیں

پسند نہیں کرتے، انکو مجھ سے نفرت ہے، یہ کسی اور میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ مثلاً میاں بیوی کے رشتے کو لے لیجیئے۔ بعض بیویاں اپنے شوہروں سے بدگمان ہوتی ہیں کہ یہ تو مجھ سے شادی کے لیے خوش ہی نہیں تھے، انکو تو انکی امی نے زبردستی مائل کیا تھا۔ کبھی کیا ہوتا کہ "شروع میں بڑے اچھے تھے، اب بدل گئے ہیں۔ ہو نہ ہو کوئی لڑکی ان کی زندگی میں آگئی ہے، انکی بہن نے کچھ سکھا دیا ہے۔ بعض دفعہ اولاد ماں باپ سے بدگمان ہو جاتی ہے کہ پہلے بچے سے ماں باپ زیادہ پیار کرتے ہیں، میں بیٹی ہوں اس لیئے مجھے اتنا پیار نہیں کرتے اور اسی طرح کی اور باتیں۔ اگر زندگی کو خوبصورت بنانا چاہتے ہیں تو

رشتوں میں سے "ظن" نکال دیں کیونکہ یہ رشتوں سے مٹھاس نکال دیتا ہے۔اس ظن کا علاج بھی ہے۔اگر کہیں آپکو لگے کہ کسی رشتے میں کوئی تبدیلی نظر آرہی ہے تو سب سے پہلے دُعا کریں۔

اللھم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

اے اللہ مجھے حق کو حق کرکے دکھا اور پھر اس کی پیروی کرنے والا بھی بنا۔یعنی میرے دل میں کسی بہن بھائی کے بارے میں کوئی بدگمانی ہے تو اُسے دور کر دے۔اے اللہ مجھے باطل کو باطل کرکے دکھا۔

یقین کریں کہ کچھ عورتیں صرف اس وجہ سے طلاق تک پہنچ جاتی ہیں کہ وہ شوہر کے بارے میں باطل سوچ رہی ہوتی ہیں۔اور کبھی صرف باطل سوچ حقیقت میں بدل بھی جاتی ہے۔یہ اصول ہم آگے پڑھیں گے کہ "وہی ہوا جس کا ڈر تھا" جیسی سوچ ہوگی ویسا عمل ہوگا۔تو سوچ بدلیں۔دعا کریں کہ اے اللہ مجھے اس سے اجتناب کرنے والا بنا۔آپ کا دل شیشے جیسا بن جائے گا۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يُّؤۡمِنُ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهٖ‌ ؕ وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۴۰﴾

اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ ایمان نہیں لاتے۔ اور تمھارا پروردگار شریروں سے خوب واقف ہے۔

ایک سچا داعی دین مخلص ہوتا ہے۔وہ ظن سے پاک ہوتا ہے۔تبلیغ کا بھی ظن ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پہلے ہی سے assume نہیں کرلینا کہ یہ ماڈرن لوگ، یہ نافرمان، یہ بھٹکے ہوئے یہ کبھی نہیں مانیں

گے۔بلکہ گھر سے یہ سوچ لے کے جائیں کہ آج تو سب مانیں گے۔ لیکن شروع میں جب پوری محبت، پوری کوششیں کر لینے کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے۔تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

اگلے سبق میں یہ بات آنی ہے تو یہیں نوٹ کر لیں کہ سورۃ یونس چونکہ مکی دور کے آخر کی سورۃ ہے۔ نبی کریمؐ کو اللہ کی بات پہنچاتے پہنچاتے 13 سال ہونے کو آرہے تھے۔ایک لمبا عرصہ گزرنے کے باوجود لوگ نہیں مان رہے تھے۔ابو جہل، عتبہ، ربیعہ، ولید بن مغیرہ نہیں مانا تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں کہ ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دو۔کچھ تلوں میں تیل ہوتا ہی نہیں۔ بعض دفعہ لوگوں کو گناہوں کی لت لگ جاتی ہے۔لوگ دنیاداری اور نفس داری پوجنے میں لگے رہتے ہیں۔تو ایسے لوگوں کا کیا کریں آیت 41

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيٓـُٔونَ مِمَّآ أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾

اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ مجھ کو میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) تم میرے عملوں کا جوابدہ نہیں ہو اور میں تمہارے عملوں کا جوابدہ نہیں ہوں۔

یہ بہت خوبصورت بات ہے کہ تم نے انکی باتوں میں آ کے عمل کرنا نہیں چھوڑنا۔ دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ Pear pressure میں نہیں آنا۔یہ تبلیغ کا آخری نقطہ ہے؛

لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُم اسکو کہتے ہیں "سلامِ مطارقہ"۔ اسکو اُردو میں سمجھیئے۔جب ہم کسی سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں "اسلام علیکم" اور جب جانے لگتے ہیں تب بھی کہتے ہیں "اسلم علیکم"۔پہلا سلام 'تحیہ' کہلاتا ہے۔خوشی ہوئی، اتنے دن بعد ملے لیکن جو سلام ہم کسی کو چھوڑتے وقت کرتے ہیں تو وہ جدائی کا

سلام ہوتا ہے لِّیۡ عَمَلِیۡ وَلَکُمۡ عَمَلُکُمۡ سلامِ تحیہ نہیں ہو۔ تبلیغ کا آغاز اس سے نہیں ہو گا کہ جو کرتے ہو کرتے رہو میں تو اپنے عمل کر رہی ہوں۔ آپ ان کے لیئے تڑپیں، روئیں، تہجد میں دعائیں مانگیں، کبھی پیار سے بلائیں، کبھی تحفے دیں۔ اگر پھر بھی نہ مانیں تو ایک دم "کنارہ کشی" کر لیں۔ پھر باتیں نہیں کرنی، محفلوں میں اُنہیں موضوع نہیں بنانا۔ کیوں؟

اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ۔ تم بَری ہو میرے اعمال سے۔ تمہیں میرے اعمال اچھے نہیں لگتے۔ تم کہتے ہو یہ ہمیں محفلوں سے روکتے ہیں، ہم چوپالوں میں بیٹھتے تھے۔ اس نے ہماری زندگی کا مزہ ختم کر دیا۔ تو اگر تمہیں میرے کام نہیں پسند تو وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ میں بھی تمہارے اعمال سے بَری ہوں۔ اگر میں تمہیں پسند نہیں تو تم بھی مجھے پسند نہیں ہو۔ Tit for tat تمہیں میرے کام نہیں پسند تو مجھے بھی تمھارے وہ کام نہیں پسند جو ربّ کو ناراض کرتے ہیں۔ گویا کہ اس میں "اعلانِ برأت" ہے۔ نہ میرے عمل کی پوچھ تم سے ہو گی اور نہ تمھارے عمل کی پوچھ مجھ سے ہو گی۔ اللہ کے نبی سے زیادہ یہ باتیں کون سمجھ سکتا تھا جن کے دل پہ یہ آیتیں اُترتی تھیں۔

اس میں ہمارے لیئے عمل کی بات ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس طرح بات نہ کریں کہ وہ آپ کے منہ لگیں اور آپ ان کے منہ لگیں۔ آپ کو تڑپ تو لگے گی۔ آپ کی بیٹی کچن میں کام کر رہی ہے، کانوں میں کچھ لگایا ہوا ہے۔ اس کو نہیں پتہ اور اُس کے دوپٹے کو آگ لگی ہوئی ہے تو آپ فوراً بھاگ کے بجھائیں گی۔ یہ تڑپ رکھیں لیکن پیچھے نہ پڑیں۔ وہ دنیا میں مگن، آپکی تڑپ نہیں سمجھیں گی۔ لٰھذا طریقے سلیقے سے سمجھائیں۔ لیکن جب کوئی منہ سے کہہ دے۔ Dont disturb me، میں نہیں مانوں گی، خبردار جو فجر پہ مجھے تنگ کیا۔ جب اس طرح کی بات آجائے تو پھر 'برأت'۔ آپ اپنا کام

خاموشی سے کرتے رہیں۔ اگر آپ کی تڑپ سچی ہو گی تو اللہ کی توفیق سے وہ ضرور آپ کے پیچھے آئیں گے۔ آیت 42 میں کچھ اور لوگوں کا تذکرہ ہے۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ کچھ بھی (سنتے) سمجھتے نہ ہوں ۔

سمِعَ کا معنی ہے 'سُننا' اور جس میں 'ت' لگ جاتی ہے اُسکا معنی ہے 'غور سے سُننا'۔ یعنی کچھ ایسے ہیں کہ اے نبی کریمؐ جب وہ آپ کے پاس ہوتے ہیں تو بظاہر ایسے لگتا ہے کہ آپ کو غور سے سُن رہے ہیں۔ اور سَمیعُ کا معنی ہوتا ہے بغیر کوشش کے سُننا اور اِستَمِعَ کا معنی ہے سُننے میں کوشش سے کام لینا۔ اسکو یوں سمجھیے کہ آپ کمپیوٹر پہ بیٹھی کام کر رہی ہیں اور کوئی آپ کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ کچھ باتیں آپ کے کانوں میں خود بخود آئیں گی۔ یہ ہے سمِعَ اور کچھ باتیں آپ کوشش کر کے سُنتی ہیں یہ ہے اِستَمِعَ۔ یعنی جو پہلے سے نہ سُننے کا تہیہ کر کے آئے ہیں انکو حق سُنائی نہیں دیتا۔ انکا آپکی باتوں کو سُننا صرف دکھاوے کا سُننا ہے تاکہ یہ لوگوں کو دکھا سکیں کہ ہم تو سُنتے ہیں لیکن اُدھر ایسی کوئی بات ہی نہیں ملتی جسے سُنا جائے۔ نبی کریمؐ کی محفلوں میں یہود بھی آتے تھے۔

آپ کسی کو یہ بتائیں کہ آپ قرآن پڑھنے جاتی ہیں تو کہیں گے یہ کون سی بڑی بات ہے۔ لیکن اگر آپ کسی کو یہ بتائیں کہ آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ہے تو بہت wow,how ہو گا۔ تو فرق

کیاہے کہ اُس دور میں نبی کی محفل میں آنا عزت کا معیار تھا۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں کہ جو عیب چُننے کے لیئے سُنے گا تو اُس کو کچھ نہیں ملے گا۔ آیت 43

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾

اور بعض ایسے ہیں کہ تمھاری طرف دیکھتے ہیں۔ تو کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے اگرچہ کچھ بھی دیکھتے (بھالتے) نہ ہوں۔

پہلے سُننے کی بات تھی اب دیکھنے کی بات ہے۔ یعنی جب ان لوگوں کی نیت ہدایت لینے کی نہیں تو آپ انہیں کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔ ہدایت کی دکان سے ہدایت صرف اور صرف اُس کو ملے گی جو ایک ہی چیز خریدنے آئے گا اور وہ ہے "ہدایت" اور اس کے برعکس جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدلے۔ تو پہلے اپنے آپ سے پوچھیں کہ کیا ہدایت کی طلب ہے؟

جہاں سے صحابہ کو ایمان مل رہا تھا اُن مجلسوں میں بیٹھنا انہیں کوئی فائدہ نہیں دے رہا تھا کیونکہ انکے دل اندھے ہو چکے تھے۔ اب اگلی آیت میں اللہ جن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور کیوں نہیں دیتا اُس کا جواب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـًٔـا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

خدا تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

اس آیت کا مضمون پہلے حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ کے لیے آیا ہے۔ کہ اُنہوں نے جنت کا پھل چکھا اور وہاں سے نکالے گئے۔ اسی طرح آج اللہ لوگوں کو ہدایت کیوں نہیں دے رہا؟ تو اس میں اللہ کا کوئی

ظلم نہیں ہے یہ تو لوگ ہیں جو خود اپنے اوپر ظلم لیتے ہیں۔ عموماً اگر آپ کسی کو نماز میں ساتھ چلنے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ "آپ دعا کیجیئے گا، اللہ ہمیں بھی ہدایت دے" تو ایسی دعا کی قبولیت کی زیادہ اُمید مت رکھیں۔ ہاں اگر یہ کہیں کہ بھائی میں بہت کوشش کرتا ہوں پھر بھی نہیں اُٹھ پاتا آپ دعا کریں تو پھر دیکھیں اللہ کیسے دعا سُنتا ہے۔ تو ہدایت صرف طلب سے ملتی ہے۔ ہدایت کیوں نہیں ملتی کہ دینا کے شاپنگ مال میں اتنے کھو جاتے ہیں کہ ہدایت خریدنے کے پیسے نہیں بچتے۔ آج لوگوں کے پاس ہدایت کے لیئے نہ پیسے ہیں، نہ وقت ہے اور نہ صحت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ چند دن کی دنیا تو ختم ہو جائے گی۔ اب منظر پلٹتا ہے آیت 45:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوٓا۟ إِلَّا سَاعَةً مِّنَ ٱلنَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِلِقَآءِ ٱللَّهِ وَمَا كَانُوا۟ مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾

اور جس دن خدا ان کو جمع کرے گا (تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ) گویا (وہاں) گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے ہی نہیں تھے (اور) آپس میں ایک دوسرے کو شناخت بھی کریں گے۔ جن لوگوں نے خدا کے روبرو حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے اور راہ یاب نہ ہوئے ۔

اب تصور کیجیئے، میدانِ محشر ہے، انتظار ہو رہا ہے، لوگ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہونگے لیکن دینا اور برزخ میں وقت ایسے محسوس ہو گا جیسے ایک دن کا کچھ حصہ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ کیا ہے کہ دنیا میں تو ابھی تعارف ہی ہوا تھا کہ آگے چلے گئے۔ حضرت نوحؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار سال کی عمر دی۔ جب اُن کی موت کا وقت آیا تو فرشتہ انکے پاس آیا اور کہا کہ اے نوحؑ آپکو کتنی طویل عمر ملی تو کہنے لگے کہ "بس یہ لگا کہ کمرے کے ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل

گیا"۔ یہ حقیقت ہے کہ ابھی جوانی کا تعارف ہونے لگتا ہے تو اُدھیڑ پن آجاتا ہے۔ ابھی عمر کے اس حصے کو انجوائے کرنے لگتے ہیں تو بڑھاپا آجاتا ہے۔ ابھی بڑھاپے کے کچھ لاڈ دیکھتے ہیں تو ارزل عمر آجاتی ہے۔ یہ ہماری زندگی ہے۔ کچھ دن پہلے کہیں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں ایک اُدھیڑ عمر کی خاتون بھی تھیں۔ گھر والوں نے بہت اچھے کپڑے پہنائے ہوئے تھے۔ بہت آرام دہ صوفہ پہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری نظر کے بالکل سامنے تھیں۔ تو میں نے دیکھا کہ سب ہنس بول رہے ہیں اور اُنکی گردن تھوڑی تھوڑی دیر بعد نیند کی وجہ سے ڈھلک جاتی تھی۔ تو کچھ دیر بعد گھر والوں نے کہا کہ اماں اندر جانا ہے تو کہنے لگی ہاں یہ ہے يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۔ دل اس دنیا کے چمن میں کیا لگانا ہے۔ ابھی صرف چند چیزوں کو انجوائے کرنے لگتے ہیں تو دنیا سے جانے کا وقت آجاتا ہے۔ اُس دن دنیا کی زندگی بیکار لگے گی۔ ایک دوسرے کو جانتے، پہچانتے تو ہوں گے لیکن ہیبت اور خوف کی وجہ سے ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کر سکیں گے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے - یہ عبرت کی جاہ ہے تماشہ نہیں ہے

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ : بدل کر بھیس فقیروں کا تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

اس دنیا میں عبرت کا احساس لے کے گزریں۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۔ اللہ کہتے ہیں جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلا دیا پھر ان کو کچھ بھی نہ ملا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا کو بہت محدود بنایا ہے۔ جب ہم آخرت کے میدان میں جائیں گے تو یہ اور چھوٹی لگے گی کیونکہ آخرت unlimited ہے۔ دنیا ہمیں اس لیے بڑی لگتی ہے

کیونکہ آخرت کے انمٹ نقوش ہمارے ذہنوں میں نہیں ہیں۔ بے غم ہونے کا راز ہی یہ ہے کہ آخرت کا غم لگا لیں۔ اسکی مثال ایسے ہے کہ ایک باپ اپنے بچوں کو لے کے جنگل میں جاتا ہے۔ اُسے ہر وقت یہ فکر ہے کہ کوئی کیڑا مکوڑا میرے بچے کو نہ کاٹ لے۔ اتنے میں اُسے بھیڑیئے کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ اب اُسے سارے جنگل میں ہر طرف بھیڑیا ہی دِکھے گا۔ بس آپ بھی اس دنیا کو بھیڑیا سمجھ لیں۔ ہر طرح کے غم، فکر سے آزاد ہو جائیں گے۔ خَسِرَ کا مطلب English میں لکھ لیں Bankruptcy۔ دنیا میں اگر کسی کے لیئے یہ لفظ سُنیں تو بہت ترس آتا ہے کہ کل کروڑ پتی تھے آج ککھ پتی ہو گئے۔ بالکل اسی طرح وہاں کون خسارے میں ہونگے جنھوں نے دنیا میں بڑی چوہدراہٹیں لی تھیں۔ آگے عذاب کی ایک دھمکی کا ذکر ہے۔ کہ نبیؐ کو جھٹلاتے ہیں۔ مکہ شہر، جبرائیل کی آمد ہے، نبیؐ کو دیکھ سکتے ہیں ایمان مل جائے گا۔ حضرت عمرؓ کو دیکھ لیں حق و باطل کا فرق مٹ جائے گا۔ پھر بھی نہیں آتے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾

اور اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے (نازل) کریں یا (اس وقت جب) تمہاری مدت حیات پوری کر دیں تو ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ یہ کر رہے ہیں خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

کہا جا رہا ہے کہ عذاب تو انکا نصیب ہے کیونکہ نبیؐ کی تکذیب، قرآن کی تکذیب کوئی چھوٹا گناہ نہیں ہے۔ اب یا تو آپ اپنی آنکھوں سے انکا انجام دیکھیں یا پھر آپکے بعد آپکے صحابہؓ کے دور میں ان پر عذاب آئے۔ عذاب آنا ضرور ہے۔

آخرت میں تو ان پر عذاب آنا ہی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ دنیا میں مختص کر دیا جائے۔ اور ایسا ہو۔ مشرکینِ مکہ پر دو قسطوں میں عذاب آیا۔ عذاب کی پہلی قسط غزوۂ بدر والے دن چکائی گئی۔ ان کے بڑے بڑے سر کردہ 70 سردار قتل ہوئے اور 70 سردار قیدی بن گئے۔ اور دوسری اور آخری قسط جو اللہ کے نبی کی زندگی میں آئی وہ 9 ہجری میں ہوئی۔ سورۃ توبہ آیت 2 میں اسکا ذکر کیا گیا۔ 4 مہینے کی موج مستی کر لو پھر یا تو ایمان لے آو یا پھر قتل ہونے کے لیئے تیار ہو جاؤ۔ اور آج تک وہاں کافر داخل نہیں ہو پا رہے۔

اہلِ مکہ کا عذاب کا معاملہ پچھلی قوموں سے مختلف ہے۔ پچھلی قوموں میں ایمان لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی تھی لیکن نبی کریمؐ کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد تقریباً 100،150 ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ وہاں موجود تھے تو اللہ نے وہاں کوئی آسمانی آفت نہیں بھیجی۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دی اور جنہوں نے آپکی ناقدری کی انکو ڈرا دیا۔ شَهِيدٌ یہاں بمعنی 'شاہد' ہے۔ یعنی آپؐ نے لوگوں کو ڈرایا لیکن لوگ نہیں ڈرے تو کہا کہ نبیؐ کی زندگی میں نہ سہی بعد میں تمہاری درگت بنے گی۔ تو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر کی زندگی میں قیصر و کسریٰ، روم، فارس، ایران سبکو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ مہلت کا ایک وقت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کے دنیا سے جاتے ہی انکی مہلت ختم ہوئی۔ کس بات کہ مہلت ختم کہ وہ صحابی کا لقب پاتے۔ آج ہم سب پوری کوشش کر کے مومن بن سکتے ہیں، متقی بن سکتے ہیں سورۃ توبہ میں پڑھی ہوئی تمام صفات اپنے اندر لا سکتے ہیں لیکن صحابی نہیں بن سکتے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

اور ہر ایک اُمت کی طرف سے پیغمبر بھیجا گیا۔ جب ان کا پیغمبر آتا ہے تو اُن میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جاتا۔

بار بار ظلم کی بات ہوتی رہی۔ سورۃ یونس میں 'قضاء' اور 'قدر' پر بہت بات ہوتی ہے آخر میں ایک آیت بھی آئے گی جس میں تقدیر کے موضوع پر بات ہو گی۔ اس آیت میں بھی لفظ يُظْلَمُوْنَ آیا ہے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ ان میں ہدایت کی چاہ نہیں تھی۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾

اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (جس عذاب کا) یہ وعدہ (ہے وہ آئے گا) کب؟

یہ کس کو کہتے تھے۔ نبیؐ کو۔ اس میں تمسخر ہے۔ نبی کا مذاق اُڑاتے تھے کہ آپؐ کہتے ہیں کہ قیامت آنی ہے، ہماری پکڑ ہونی ہے، اللہ نہ ماننے والوں کو سخت سزا دیتا ہے۔ ہم تو دن رات بہت پھل پھول رہے ہیں۔ آپؐ کا ہی آج تک کچھ نہیں بنا۔ یہ اُنکا سٹائل تھا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہتے ہیں انکو جواب دو؛

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾

کہہ دو کہ میں اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو خدا چاہے۔ ہر ایک امت کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔

اتناواضع عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ خود بھی کوئی فائدہ نہیں لے سکتے جب تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم نہ ہو۔اور جو عذاب ابھی تک نہیں آرہااُس کی دووجوہات ہیں؛

1۔ابھی اللہ کا حکم نہیں ہوا۔میرا اس پہ کوئی اختیار نہیں۔ہمارے لیے سمجھنے کی بات ہے کہ ہم کبھی بھی کسی کے لیئے یہ جملہ نہ بولیں کہ فلاں پہ اللہ کی پکڑ ہے۔کبھی مائیں بھی اپنی اولاد کو کہہ دیتی ہیں کہ تمھارے پہ تو اللہ کی پکڑ آئی ہے۔یہ جملہ کہنے کی نبی کو بھی اجازت نہیں۔

2۔ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔اللہ لوگوں کو پکڑنے سے پہلے آخری حجت پوری کرتا ہے۔اللہ پہلی۔دوسری غلطی پہ نہیں پکڑتا بلکہ جب انسان اپنی غلطیوں پہ شرمندہ ہونے کی بجائے اکڑنے لگتا ہے تو پھر اللہ کو اُس پہ غصہ آتا ہے۔پھر جب وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی مؤخر نہیں ہوتی۔

یَسۡتَاخِرُوۡنَ کے معنی تاخیر کے ہیں۔ءوٹ،ک،ر۔ساری بات کا مطلب کیاہے کہ جب اللہ کی پکڑ آتی ہے تو نبی ﷺ بھی نہیں بچاسکتے۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّاذَا يَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾

کیا جب وہ آواقع ہوگا تب اس پر ایمان لاؤ گے (اس وقت کہا جائے گا کہ) اور اب (ایمان لائے؟) اس کے لیے تو تم جلدی مچایا کرتے تھے ۔

کہا جارہا ہے کہ یہ جو عذاب کی جلدی مچارہے ہیں۔تو انکو کہہ دیں کہ وہ تو کبھی بھی آسکتا ہے رات کو بھی۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ ؕ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾

کیاجب وہ تم پر آپڑے اسی وقت تم اسے مانوگے ؟اب بچناچاہتے ہو؟ حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے! ﴿۵۱﴾

آلْئٰنَ میں دو "ء" آگئی ہیں۔ 'آ'کیاہو تا ہے 'کیا'۔ حرفِ استفہام ہے۔ آلٰن کہتے ہیں ماضی اور مستقبل کے درمیان کے وقت کو۔یعنی کہااچھاجی اب آپکوایمان سوجھا۔اسی کی توتم جلدی مچارہے تھے۔

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾

پھر ظالموں سے کہاجائے گا کہ اب ہمیشہ کے عذاب کامزا چکھو، جو کچھ تم کماتے رہے ہو اس کی پاداش کے سوااور کیابدلہ تم کو دیاجاسکتا ہے؟ ﴿۵۲﴾

عذاب مانگ رہے تھے تو کہا آگیااب وہ وقت۔یہ آکے ٹلے گانہیں۔تو کیاپتہ چلا کہ عذاب مانگنے کی بجائے ہدایت مانگیں۔

پورے سبق کاخلاصہ کہ حق کے راستے سے بھاگنے والوں کے لیئے ایک ہی راستہ ہے کہ پلٹ آوٗ۔اگر آج نہ پلٹے توجب عذاب آئے گاتوپھر واپسی کی خواہش کروگے۔اگر قرآن کاگہرائی سے مطالعہ کیا جائے توہر لفظ کھُلا دکھے گا۔موتیوں سے پروئی ہوئی آیتیں ہیں۔

اللہ عمل کی توفیق دے۔آمین